تفسیر فی ظلال القرآن - ایک تجزیاتی مطالعہ

صفدر سلطان اصلاحی

سید قطب شہید دور حاضر کے ایک عظیم اسلامی مفکر تھے۔ فکر اسلامی کی تشریح وترجمانی میں ان کا بہت ہی نمایاں حصہ ہے۔ انھوں نے دنیا کی اسلامی تحریکات پر عموماً اور عالم عرب پر خصوصاً غیر معمولی اثرات ڈالے ہیں۔ ان کی تعلیم وتربیت مصر کے عام رواج کے مطابق جدید تعلیمی اداروں میں ہوئی۔ ثانوی تعلیم سے فراغت کے بعد انھوں نے مصر کی جدید دانش گاہ ''دارالعلوم'' میں داخلہ لیا۔ وہاں سے بی اے کی سند کے حصول کے بعد کچھ دنوں سرکاری ملازمت سے منسلک رہے۔ دریں اثنا مصری حکومت کی طرف سے جدید تعلیمی افکار ونظریات کے مطالعہ کے لیے انھیں امریکا جانے اور وہاں کچھ عرصہ قیام کرنے کی پیش کش کی گئی جسے انھوں نے قبول کیا اور اس سے اپنی علمی استعداد میں بیش بہا اضافہ کیا۔ ان کی زندگی کا ایک حصہ مصر کے عام مفکرین، ادباء اور ناقدین کی طرح ادبی اور تنقیدی موضوعات کے مطالعہ میں صرف ہوا۔ اس دور میں انھوں نے قرآن کریم پر ادبی اور فنی زاویہ سے نگاہ ڈالی اور اپنے مطالعہ کے نتائج ''التصویر الفنی فی القرآن'' اور ''مشاہد القیامۃ فی القرآن'' نامی کتابوں کے ذریعہ پیش کیے۔ یہ کتابیں مصر اور عالم عرب کے علمی و ادبی حلقوں میں بہت مقبول ہوئیں۔ خود مصنف کی شخصیت پر ان کا بہت خوشگوار اثر مرتب ہوا اور ان کی اسلام سے عقلی اور جذباتی وابستگی میں اضافہ ہوا۔[1]

اس دوران ادب اور تنقید سے متعلق ان کی کئی اہم نگارشات منظر عام پر آئیں۔ شعر وشاعری اور صحافت کی دنیا سے بھی انھیں بے حد دلچسپی تھی، جس کا ثبوت ان کے شائع شدہ تین شعری مجموعے اور مختلف اخبارات و رسائل میں ان کے مقالات اور مضامین

ہیں۔ بعد میں وہ ایک معروف مجلّہ کے مدیر بھی بنائے گئے اور خود اپنے وسائل سے ایک ماہ نامہ کی اشاعت کو ممکن بنایا۔

امریکہ سے واپسی کے بعد ان کی علمی زندگی میں ایک بڑا انقلاب آیا اور ان کی توجہ ادبی اور تنقیدی امور و مسائل کے بجائے دینی، ملی اور تحریکی موضوعات کی طرف مرکوز ہوگئی اور وہ رفتہ رفتہ اپنے ملک کی معروف دینی جماعت ''الاخوان المسلمون'' سے قریب ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ ۱۹۴۵ء میں وہ اس کے سرگرم رکن اور بعد میں اس کی مجلس عاملہ اور کئی دوسرے شعبہ جات اور کمیٹیوں کے رکن اور ذمہ دار قرار پائے۔ ان کی بقیہ زندگی اسی تنظیم کے افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت اور اس کی سرگرمیوں میں عملاً شرکت کے لیے وقف ہوگئی۔ ان کی علمی، ادبی اور صحافتی استعداد و لیاقت پر اعتماد اور اعتبار کے باعث تحریک 'الاخوان المسلمون' نے انھیں اپنے ترجمان مجلّہ ''المسلمون'' کا مدیر مقرر کیا لیکن ابھی اس مجلّہ کی ادارت سنبھالے ہوئے صرف دو ماہ گزرے تھے کہ حکومت مصر نے ''الاخوان المسلمون'' کو خلاف قانون قرار دے دیا اور اس کے رہنماؤں کو گرفتار کر کے جیل کی تاریک کوٹھریوں میں قید کر دیا گیا۔ بعد میں ان میں سے بعض کو موت کی سزا دی گئی۔ مصر کی ایک عوامی عدالت نے سید قطب کو پندہ سال قید بامشقت کی سزا کا مستحق قرار دیا۔ قید کے ابتدائی چند سال بہت مشقت میں گزرے لیکن بعد میں کچھ سہولیات دی گئیں خاص طور سے علمی مشاغل جاری رکھنے کے لیے ضروری ساز و سامان فراہم کیا گیا۔ اس سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے اپنی زندگی کی بڑی خواہش اور عظیم منصوبے یعنی اپنے مخصوص اسلوب اور نظریہ کے تحت قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کا آغاز کر دیا۔ تقریباً دس سال کی سزا اور قید کے بعد ۱۹۶۴ء میں انھیں رہا کیا گیا لیکن ایک سال کے بعد انھیں دوبارہ گرفتار کر لیا گیا اور حکومت کے خلاف بغاوت اور سازش کا من گھڑت الزام لگایا گیا اور غیر مروجہ انداز اور غیر منصفانہ طریقے سے عدالتی کارروائی کر کے انھیں اور ان کے دو ساتھیوں کو موت کی سزا سنائی گئی۔ اور عالم اسلام کے شدید احتجاج کو نظر انداز کرتے ہوئے ۲۹ اگست ۱۹۶۶ء کی صبح سویرے اس سزا کو عملاً نافذ کر دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان کی علمی و ادبی سرگرمیوں پر ایک نظر ڈالنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے قرآن مجید کے مطالعہ، اس پر غور وفکر اور اس کے اسالیب بیان کے فہم و ادراک کو اپنا وظیفۂ حیات بنایا تھا۔ مذکورہ سطور میں قرآنیات سے متعلق دو اہم کتابیں ان کے اس سے انہماک اور دلچسپی کی واضح مثالیں ہیں۔ ظاہر ہے یہ تصانیف اُس دور کی یادگار ہیں جب دینی موضوعات کی طرف ان کا رجحان بہت کم تھا۔ امریکہ سے واپسی اور ''الاخوان المسلمون'' سے تعلقات کی استواری کے بعد انھوں نے دینی اور اسلامی موضوعات پر تصنیف وتالیف کو اپنی تمام تر توجہات کا مرکز بنایا۔ اس کے نتیجہ میں ان کی جو معرکۃ الآراء تصانیف منظر عام پر آئیں ان میں بھی قرآن مجید سے استفادہ اور استشہاد کا عنصر غالب تھا۔ پھر جب دس سالہ قید با مشقت اور جیل کی تنہائیوں میں انھیں کچھ لکھنے پڑھنے کی سہولت فراہم کی گئی تو انھوں نے اسے اللہ تعالیٰ کی کتاب کے زیر سایہ گزارنے اور امت مسلمہ اور ساری انسانیت کو اس کتاب سے قریب لانے اور اس سے حصولِ ہدایت کی طرف توجہ دلانے کے لیے وقف کر دیا۔ اور اپنے تاثرات و جذبات کو ''فی ظلال القرآن'' کے عنوان سے قلمبند کر کے مسلمانوں اور عام انسانوں کے سامنے ایک انتہائی قیمتی اور انمول تحفہ پیش کیا۔

ان کی دیگر تصانیف میں ''معالم فی الطریق''، ''العدالۃ الإجتماعیۃ فی الإسلام''، ''الإسلام ومشکلات الحضارۃ''، ''خصائص التصور الإسلامی''، ''معرکۃ الإسلام والرأسمالیۃ''، ''السلام العالمی والإسلام''، ''دراسات إسلامیۃ''، ''نحو المجتمع الإسلامی''، ''کتب وشخصیات''، ''النقد الأدبی- اصولہ ومنہجہ''، ''نقد کتاب مستقبل الثقافۃ فی مصر''، ''امریکا التی رأیتہ'' اور ''مہمۃ الشاعر فی الحیاۃ'' علمی حلقوں میں مقبول اور متداول ہیں۔ افسانوں، قصوں اور اشعار کے مجموعے اور دواوین ان کے علاوہ ہیں۔ مذکورہ کتابوں میں سے کئی ایک اس اعتبار سے بے حد اہم ہیں کہ ان کے ذریعہ عصری اسلوب اور علمی زبان میں اسلامی نظام کے مختلف گوشوں اور پہلوؤں کی وضاحت اور تشریح کا انتہائی گراں قدر کام انجام پایا اور تحریک اسلامی کے مقصد، نصب العین اور طریقۂ کار وغیرہ پر اطمینان بخش

اور مدلل رہنمائی فراہم ہوئی ہے۔ اسی بنا پر یہ کتابیں پوری اسلامی اور غیر اسلامی دنیا میں مقبول ہوئیں اور درجنوں زبانوں میں ان کے تراجم شائع ہوئے۔[۲]

تفسیر کا ایک عمومی تعارف

سید قطب کی سب سے معرکۃ الآراء تصنیف قرآن مجید کی تفسیر ''فی ظلال القرآن'' ہے۔ یہ تفسیر ان کے قرآن مجید پر تیس سالہ غور وفکر کا نتیجہ ہے۔ عالم اسلام میں اس کی بے پناہ مقبولیت کا اندازہ اس حقیقت سے ہوتا ہے کہ اس کا دنیا کی کئی زبانوں میں ترجمہ کیا گیا اور اس کے بے شمار ایڈیشن شائع ہوئے۔ پوری دنیا میں اسلامی نظام حیات کے شیدائی اور اس کی اقامت اور احیاء کے لیے سرگرم اور سرگرداں مسلم دانشوروں اور علماء کے لیے یہ تفسیر دعوت وتحریک، تربیت وتزکیہ اور اصلاح وتغیر سے متعلق بے شمار گوشوں اور زاویوں کی توضیح وتفہیم کا ذریعہ ثابت ہوئی۔ حالاں کہ اس کا بیش تر حصہ جیل کی پر مشقت اور پر آشوب قید کے دوران لکھا گیا، جہاں انھیں نہ تو مطلوبہ یکسوئی حاصل تھی اور نہ ہی وسائل و ذرائع۔ لیکن اس کی اثر انگیزی کے دائرہ کی وسعت اور ہمہ جہت مقبولیت اور پذیرائی کا اندازہ عالم اسلام کے ایک بالغ نظر ادیب کے اِس بیان سے کیا جاسکتا ہے:

> ''بیسویں صدی میں عربی زبان میں کوئی تحریر اتنی جاندار اور زور دار نہیں لکھی گئی جتنی سید قطب کی ''فی ظلال القرآن'' ہے۔ یہ کتاب زور بیان، غیر معمولی زبان دانی اور خطابت کا شاہ کار ہے۔ ایسا نمونہ بیسویں صدی کی کسی اور عربی تحریر میں نہیں ملتا۔ پڑھنے والا اس تفسیر میں ایسا بے خود ہوکر بہتا چلا جاتا ہے کہ اسے کچھ خبر نہیں رہتی کہ وہ کہاں جارہا ہے؟''۔[۳]

یہ تفسیر کل چھ جلدوں پر مشتمل ہے (مطبوعہ دار الشروق، بیروت، ۱۹۷۹ء) اور یہ مؤلف کے ان تاثرات اور احساسات کی آئینہ دار ہے جو قرآن مجید کے مطالعہ کے دوران ان پر طاری ہوئے تھے۔ انھوں نے اس کے مقدمہ میں وضاحت کی ہے کہ وہ اس تفسیر کے ذریعہ اپنے ان اچھوتے اور نادر خیالات اور گراں قدر ایمانی تصورات میں دوسروں کو

شریک کرنا چاہتے ہیں جو قرآن مجید کے زیر سایہ زندگی گزارنے کے دوران ان کے ذہن و دماغ میں وارد ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے انھوں نے اپنی ساری توجہ قرآن مجید کے پیغام، اس کے ادبی جمال، تصویری اسلوب بیان اور سیاق وسباق کی ندرت وجدت کی توضیح اور تقدیم پر مرکوز رکھی اور ہر اُس مبحث سے احتراز کیا جو مذکورہ مقاصد کے مغایر یا مخالف ہو۔ وہ اپنے تفسیری کام کا تعارف پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''قرآن کے سایہ میں زندگی گزارنا ایک ایسی نعمت ہے جس کی حقیقت صرف وہی پہچان سکتا ہے جس نے اس کا مزہ چکھا ہو، یہ ایک ایسی نعمت ہے جو زندگی کو رفعت، اس میں برکت اور اسے تزکیہ وتطہیر کی دولت سے ہم کنار کرتی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں نے قرآن کے سایہ میں زندگی کا ایک لمبا وقت گزارا ہے۔ میں نے اس میں وہ لطف اور مزہ پایا ہے جو مجھے اپنی زندگی میں کبھی اور کہیں نہیں ملا۔''[۴]

سید قطب جدید مفسرین کے اُس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں جس کا خیال یہ ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر اس انداز سے کی جانی چاہیے کہ اس سے اس کی اصل دعوت اور پیغام کی وضاحت ہو سکے اور وہ اپنے قارئین یا سامعین کو اسی طرح متاثر اور مرعوب کرے جیسے اس نے اپنے اولین مخاطبین کو متاثر کیا تھا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مفسر اپنے دور کے انسانوں کے علمی معیار اور ذہنی افق کو پیش نظر رکھتے ہوئے، عصری اسلوب میں قرآن مجید کی تفسیر اور توضیح کا کام کرے۔ اس طبقہ کو یقین ہے کہ اگر قرآن کریم کے الفاظ وتراکیب کے معانی، ان کے عجائبات، اس کی زبان و بیان کی روح پرور تازگی اور اس کے لطیف ادبی محاسن کو لوگوں کے سامنے لایا جائے اور لغوی، نحوی، فقہی اور کلامی مباحث سے کلی طور سے اجتناب کیا جائے تو اس سے ان کے احساس وشعور اور قلب وضمیر میں اصلاح احوال کی زبردست تحریک پیدا ہوگی اور وہ رشد و ہدایت کے مراحل بآسانی طے کر سکیں گے۔ چنانچہ اس مکتب فکر کے وابستگان نے کسی مسلک یا نظریہ کے حصار میں محصور ہونے کے بجائے، قرآن مجید کی ادبی طرز تفسیر کی وکالت کی ہے۔ اس کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ اس

نے اسرائیلیات کو نقد وجرح کی کسوٹی پر پرکھا، کمزور اور موضوع احادیث کو نا قابل استشہاد تصور کیا اور قرآن پاک کی تفسیر میں صحیح احادیث پر اعتماد کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے قدیم علوم کی گنجلک اور پیچیدہ اصطلاحات کے استعمال سے گریز کرتے ہوئے قرآن کے ایجاز اور اعجاز کے انکشاف، اس کے کائناتی اصولوں اور معاشرتی آداب کی وضاحت اور اس کی روشنی میں امت مسلمہ اور اقوام عالم کے مسائل حل کرنے پر اپنی توجہات مرکوز رکھیں۔ چوں کہ اس مکتب سے وابستہ افراد کی معلومات بے حد وسیع تھیں، انھوں نے مشرقی علوم کے ساتھ مغربی اور سائنسی علوم سے بھی استفادہ کیا تھا اور وہ مومنانہ بصیرت اور فراست کی دولت گراں مایہ کے حامل اور امین تھے۔ اس لیے انھوں نے قرآن مجید کی ان آیات کی، جن کا تعلق کائنات اور انسان کی تخلیق اور ان کے اہم مظاہر سے ہے، ایسی دلنشیں اور قابل فہم تعبیریں پیش کیں جن سے جدید مسلم تعلیم یافتہ طبقہ کی دین کی اساسیات اور مقتضیات کے حوالہ سے الجھنوں اور شکوک وشبہات کا ازالہ ہوا اور قرآن کی حقانیت اور صداقت پر ان کے ایمان ویقین میں تازگی اور پختگی آئی۔ اس طبقہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے قرآن مجید کو دور حاضر کے انسانوں کے مسائل کا ایک کامیاب حل اور ان کی زندگی کے لیے ایک مکمل دستور العمل کے طور پر پیش کیا۔

ہم جب سید قطب کے اس عظیم شاہ کار اور لازوال علمی و دینی کارنامے پر نظر ڈالتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ یہ جانفشانی اور محنت وہی شخص کرسکتا ہے جس کا مطمح نظر دنیا کی چند روزہ زندگی کے فوائد کے بجائے آخرت کی ابدی زندگی کی کامیابیوں اور کامرانیوں کا حصول ہو اور جس کا اسلامی نظام حیات کے احیاء، اور اس کی اقامت سے اس حد تک ربط وتعلق اور عشق ومحبت ہو کہ تختۂ دار بھی اس کے قدم کو متزلزل نہ کرسکے اور جیل کے تکلیف دہ نامساعد حالات اس کے مطالعہ اور تالیف کے کام میں رکاوٹ نہ بن سکیں۔

تفسیر کے بعض امتیازی اوصاف

اس تفسیر کے نام ''فی ظلال القرآن'' سے اس کے امتیازی اوصاف کی نشان دہی

ہوتی ہے۔ مؤلف اس کے مقدمہ میں اس نام کے تعین کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں نے ''فی ظلال القرآن'' کا نام بلا کسی تردد اور تکلف کے اختیار کیا ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا میں پوری زندگی سامنا کرتا رہا اور اس کے مختلف مراحل میں میں اپنے اندر یہ خواہش پاتا رہا کہ میں قرآن کے زیر سایہ زندگی بسر کروں۔ وہاں مجھے وہ راحت ملتی تھی جو کہیں اور ممکن نہیں تھی۔ میں مختلف احوال اور کیفیات سے گزرتا تھا۔ کبھی آسمان کی بلندیوں کو چھو رہا ہوتا تھا اور کبھی زمین پر مضبوطی سے کھڑا محسوس کرتا تھا۔ کبھی مجھ پر روشن اور ہوادار کھڑکیاں کھل جاتی تھیں اور کبھی کچھ اور''۔ ۵

اس تفسیر کے آغاز کے داستان بھی بڑی مختصر لیکن سبق آموز ہے۔ صاحب تفسیر کو ایک مصری ماہنامہ کی طرف سے مدعو کیا گیا کہ وہ اس کی ہر اشاعت میں کسی ایک موضوع پر مستقل لکھنے کا اہتمام کریں۔ انھوں نے یہ پیش کش قبول کرتے ہوئے اپنے کالم کا نام ''فی ظلال القرآن'' تجویز کیا۔ پھر ان کی اس موضوع سے دلچسپی برابر بڑھتی گئی اور مستقل تفسیر لکھنے کا داعیہ تیز تر ہوتا گیا۔ اس کے نتیجہ میں یہ مہتم بالشان تفسیر منصۂ شہود پر آئی۔

''فی ظلال القرآن'' ذخیرۂ تفاسیر میں اس لحاظ سے ایک منفرد اور ممتاز تفسیر ہے کہ اس میں اس دور کی سچی تصویر کشی کی گئی ہے جس میں قرآن نازل ہوا تھا چنانچہ اس کی وہ آیات جن کا تعلق عقائد، عبادات، اخلاق، آداب اور احکام وغیرہ سے ہے اُن کی ایسی دلنشیں تشریح کی گئی ہے کہ پڑھنے والے پر عجیب وغریب کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور وہ یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ گویا قرآن اس سے براہ راست مخاطب ہے اور اس کے معانی اور اس کی ذات کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے۔

اس تفسیر کا یہ وصف بھی انتہائی قابل قدر ہے کہ اس میں عہد رسالت اور عصر حاضر کے مسائل اور معاملات کا تجزیہ کر کے دونوں کے درمیان اشتراک اور مماثلت کی بنیادیں تلاش کی گئی ہیں اور پھر آج کے مسلمانوں کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ وہ ان سے کیسے عہدہ برآ ہوں؟ ان کے اندر کس طرح کے اوصاف وخصائص کی موجودگی ناگزیر ہے؟ ان

سب امور پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر سورہ البقرہ میں بنی اسرائیل سے متعلق آیات کے آغاز میں انھوں نے تفصیل سے مدینہ میں یہودیوں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا تذکرہ کیا اور ان کے اسباب وعلل پر روشنی ڈالی ہے، پھر یہ بتایا کہ انھیں دنیا میں عالم اسلام کے علاوہ کہیں عزت واحترام اور سکون واطمینان نصیب نہیں ہوا، نہ ماضی میں اور نہ حال میں، دین اسلام چونکہ مذہبی اور نسلی عصبیتوں سے پاک اور صلح وآشتی اور عدل و مساوات کا داعی ہے اس لیے اس نے ہر کسی کے لیے اپنا دامن عفو و درگزر ہمیشہ پھیلائے رکھا اور اپنی رداءِ حفظ واماں میں جگہ دی۔[۶]

سورہ بنی اسرائیل کی آیت ''وان عدتم عدنا .....(۸)'' کے تحت انھوں نے بنی اسرائیل کے فساد فی الارض برپا کرنے کی عادت اور اللہ تعالیٰ کی مواخذہ کی سنت کا تذکرہ کرتے ہوئے دور حاضر میں ان پر ہٹلر کے مظالم اور یورپ سے اخراج کے واقعات کی طرف رہنمائی کی ہے اور پھر ان کے عالم عرب میں آباد ہونے اور عربوں کی زمینوں پر زبردستی قبضہ کر کے مملکت اسرائیل کی داغ بیل ڈالنے کے دوران ان کے مظالم اور سفاکیوں کا حوالہ دے کر ان کے جلد ختم اور نیست ونابود کیے جانے کا ذکر کیا ہے، اور ایسا ان کی نظر میں اللہ کے قطعی وعدہ کی تصدیق اور اس کی غیر متغیر سنت کے باعث ہوگا۔[۷]

نظم کلام اور ربط آیات پر زور

سید قطب کا سورہ کی تفسیر لکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے اس کی آیات کو مختلف حصوں اور مجموعوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ (یہ عمل پچیسویں پارہ کے اختتام تک جاری رہا۔ بعد میں دو تین سورتوں کے علاوہ باقی تمام سورتوں کی آیات کو ایک ساتھ، یکجا نقل کر دیا ہے) پھر ہر حصہ کی آیات اپنے مخصوص انداز میں نقل کرتے ہیں یعنی ان آیات کے درمیان یا ان کے اختتام پر مختلف قسم کی علامتیں قائم کرتے ہیں، جن سے اُن آیات کے مطالب کے سمجھنے اور سمجھانے میں آسانی ہوتی ہے۔ سورہ الحجر تک ان کا طریقہ یہ رہا ہے کہ وہ آیات کے مجموعۂ اول کے نقل کرنے سے پہلے ایک ابتدائی پرمغز اور مؤثر مقدمہ لکھتے

ہیں۔ بعد کی سورتوں میں یہی مقدمہ ان کی آیات کے پہلے مجموعہ یا حصہ کے بعد موجود ہے۔ ان مقدمات میں انھوں نے سورہ کے مرکزی موضوع، دوسرے موضوعات، سورہ کا مزاج، نزول کے وقت کا ماحول، سورہ کا اس سے پہلے اور بعد کی سورتوں سے ربط و تعلق اور کبھی کبھی کئی سورتوں کے موضوعات کی یکسانیت اور ہم آہنگی، ان کے اسلوب اور طرزِ بیان وغیرہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔[۸] پھر اس مجموعہ کی آیات الگ الگ نقل کر کے ان کے مطالب اور مفاہیم کی وضاحت کی ہے۔ پھر اس کے بعد مضمون کی رعایت سے تقسیم شدہ دوسرے مجموعوں کی آیات نقل کیا ہے اور ہر مجموعہ کی آیات کا اُس کے ماقبل و مابعد کی آیات سے ربط و تعلق پر تشفی بخش گفتگو کی ہے اور ہر مجموعہ کی انفرادی خصوصیات کی نشان دہی کی ہے۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے ہر حصہ اور مجموعہ کے اندر شامل آیات کے باہمی ربط و تعلق پر پوری توجہ دی ہے۔ اس کی ایک مثال سورہ البقرہ میں بنی اسرائیل کی سرگزشت سے پہلے قصہ آدم کے تذکرہ کی حکمت و مصلحت کی وضاحت ہے[۹] اور سورہ ص میں قصہ داؤد کے درمیان تین آیات (۲۷ تا ۲۹) کے ماقبل و مابعد سے ربط و تعلق کے اثبات کی کامیاب کوشش ہے۔[۱۰]

مصنف کے مذکورہ طریقہ تفسیر کی وجہ سے قرآنی سورتوں کی موضوعاتی وحدت اور ان کی آیات کے درمیان اتصال و ارتباط کا بہت عمدگی سے اثبات ہوتا ہے اور ہر سورہ ایک اکائی اور وحدت بن کر سامنے آجاتی ہے۔ اس کا اندازہ سورہ البقرہ سے سورہ الرعد تک کی کسی سورہ کے مقدمہ یا سورہ الانبیاء[۱۱] اور سورہ سبا[۱۲] کی ابتدائی تمہیدی گفتگو کے مطالعہ سے بآسانی کیا جاسکتا ہے۔ ان کے علاوہ سورہ فاطر اور بعض دوسری سورتوں کے مقدمات میں مصنف کی یہ صراحت بھی موجود ہے کہ ان کی موضوعاتی وحدت کے بہت واضح اور نمایاں ہونے کی بنا پر ان کی آیات کی مختلف مجموعوں اور حصوں میں تقسیم کا کام بہت مشکل نظر آیا اور اس میں انہیں بڑی دقت اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔[۱۳] سورتوں کے مرکزی موضوع یا اس کے ذیلی و ضمنی موضوعات کی توضیح اور ان میں وحدت اور یکسانیت کے اثبات کی وجہ سے تفسیر فی ظلال القرآن کا مرتبہ اور مقام دیگر عربی تفاسیر کے

درمیان بہت بلند اور ممتاز نظر آتا ہے۔ یہاں وضاحت اور نمونہ کے طور پر سورہ النساء کے ایک پیراگراف کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے:

''قرآن مجید کی ہر سورہ کی اپنی مخصوص شخصیت، منفرد مزاج اور نمایاں خصوصیات ہوتی ہیں اور اس کا ایک مرکزی موضوع ہوتا ہے جسے اُس سورہ کے تمام اجزاء استحکام بخشتے ہیں۔ مخصوص شخصیت کا یہ تقاضا ہے کہ ہر سورہ کے اندر وارد مضامین، ایک مخصوص نظام کے تحت، اس کے مرکزی موضوع سے جڑے اور متصل ہوں۔ اس شکل میں اس کی خصوصیات نمایاں ہوں گی اور اس کے جواہر نکھریں گے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک زندہ انسان، جو اپنی جنس کے تمام انسانوں سے بہت سی چیزوں میں اتحاد کے باوجود، اپنی ظاہری اور باطنی خصوصیات کی بنا پر الگ اور ممتاز ہوتا ہے''۔[۱۴]

انھوں نے ہر سورہ کی ابتدا میں یا اس کے پہلے مجموعہ آیات کے بعد جو تعارفی مقدمہ لکھا ہے وہ قرآن مجید کے اسرار و رموز اور مصالح اور مقاصد کو سمجھنے کے حوالہ سے بہت اہم ہیں۔ یہ اپنی جامعیت، ہمہ گیری، فصاحت اور بلاغت کی بنا پر قارئین کی توجہ اپنی طرف منعطف کر لیتے ہیں اور ان کے ایمان میں اضافہ، روح میں تازگی اور اعضاء و جوارح میں حرکت و عمل کے لیے آمادگی پیدا کرتے ہیں۔

ان مقدمات کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ ان میں سورتوں کے نزول کے زمانہ اور ماحول پر بھی سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا کہ داعی اعظمؐ نے کس طرح قافلۂ حق کو کامیابی و کامرانی کی منزلوں سے سرفراز کیا اور اس راہ میں انھیں کن کلفتوں کا سامنا کرنا پڑا اور کس حکمت، تدبر، صبر اور استقامت سے انھوں نے ہر مشکل کا مقابلہ کیا۔ الغرض قرآن مجید کی تعلیمات اور سیرت نبوی کے دروس و اسباق کی روشنی میں انھوں نے عصر حاضر کے مسلمانوں اور اسلامی تحریکات کو اسلام کی دعوت، اس کے احیاء اور غلبہ کی ممکنہ شکلوں اور صورتوں سے آگاہ کیا اور ان مسائل اور چیلنجز کا اطمینان بخش جواب دیا جو انھیں اس راہ میں

درپیش تھے، ظاہر ہے یہ سب اس لیے ممکن ہوسکا کیوں کہ وہ قرآن وسنت کو اپنا ہادی اور رہنما تسلیم کرتے تھے اور ان میں غور وفکر کے عادی تھے۔ اسی بنا پر وہ قرآنی تعلیمات کو عصری اسلوب میں پیش کرنے کے قابل ہو سکے۔

ان مقدمات کے یہ اوصاف تقریباً ہر سورہ کے آغاز میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں لیکن یہ جس خاص اہتمام، زور بیان اور دلائل کے ساتھ قرآن مجید کی ابتدائی چھ طویل سورتوں اور ان کے علاوہ سورہ یونس، سورہ ہود، سورہ یوسف اور سورہ الانبیاء کی ابتداء میں موجود ہیں وہ قرآن مجید کے طالب علموں کی بہت سی الجھنوں کے ازالہ اور رفع کے لیے کافی ہیں۔

فی ظلال القرآن میں سورتوں کے مقدمات کے علاوہ ان کے اختتامیے بھی بے حد اہمیت کے حامل ہیں۔ اس کا مقصد سورہ کے بنیادی مضامین کا اعادہ اور استحضار ہوتا ہے۔ کبھی کبھی ان کے ذریعہ کسی سورہ کے اہم نکات کی مزید تشریح مقصود ہوتی ہے۔ اس اختتامیہ کا ذکر سورہ کی تمہیدی گفتگو میں بھی ہوتا ہے اور اس کے اخیر میں بھی۔ ۱۵ اس کی بہت عمدہ مثال سورہ ''الرعد'' کی تفسیر ہے جس کا اختتامیہ دس صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۶ اسی طرح سورہ آل عمران کی آخری آیت (یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُواْ اصْبِرُواْ وَصَابِرُواْ وَرَابِطُواْ وَاتَّقُواْ اللّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اختتامیہ کے طور پر جو لکھا ہے وہ یہ ہے:

> ''پوری سورہ صبر اور تقویٰ کے تذکرہ سے بھری ہے۔ یہ دونوں اوصاف الگ الگ بھی بیان کیے گئے ہیں اور یکجا بھی۔ اسی طرح اس سورہ میں مشقتوں کو برداشت کرنے، راہ خدا میں جہاد کرنے، سازشوں کا مقابلہ کرنے اور شکست خوردہ اور تھڑ دلے لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اب اس سورہ کا اختتام صبر، مصابرہ، مرابطہ اور تقویٰ اختیار کرنے کی ہدایت پر ہوتا ہے۔ یہ سب سے مناسب اور برمحل خاتمہ ہے''۔ ۱۷

تفسیر کے مطالعہ سے اس حقیقت کا ادراک ہوتا ہے کہ ربط آیات اور سیاق کلام

کی رعایت ان کے نزدیک فہم قرآن کی ایک اہم کلید ہے، انھوں نے اس کے ذریعہ آیات اور ان کے الفاظ کے تعیین اور تشریح میں کافی مدد لی ہے۔ اور بعض مقامات پر ان مسائل اور امور میں اپنی واضح اور قطعی رائے دی ہے جن میں مفسرین کی رائیں مختلف تھیں۔ مثلاً انھوں نے سورہ ھود کی آیت ۱۲، ۱۷ اور ۱۱۴ کو مکی ثابت کیا ہے جنھیں عام طور سے مدنی تصور کیا جاتا ہے۔ ۱۸ یہی رائے انھوں نے سورۂ یوسف کی ابتدائی چار آیات کے متعلق بھی دی ہے۔ انھوں نے دونوں جگہ یہ ثابت کیا ہے کہ دونوں سورتوں کا مزاج، ماحول، موضوع اور سیاق وسباق ان آیات کے مدنی ہونے کی دلیل فراہم کرتا ہے۔ ۱۹

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید پر غور وفکر کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسی بصیرت اور ایسے اصول عطا کر دیے تھے جن سے وہ تفسیر کے دوران مدد لیا کرتے تھے۔ ان ہی میں ایک اصول سیاق کلام اور تناسق آیات ہے، اس اصول کی رعایت کی بنا پر انھوں نے اپنی تفسیر میں بہت سی تفسیری اور اسرائیلی روایات کے مکمل نقل و تذکرہ سے گریز کیا ہے اور قرآن مجید کے مقاصد نزول وغیرہ کی روشن میں انتہائی ضروری نکات اخذ اور بیان کیے ہیں۔ مثال کے طور پر سورہ المائدہ آیت ۲۷ تا ۳۱ میں مذکور حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں سے متعلق ایک واقعہ کی تفصیلات سے صرف نظر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''قرآنی سیاق، اس قصہ کے زمانہ، جگہ اور اسماء کی تعیین نہیں کرتا ہے۔ گرچہ روایات میں بعض تفصیلات ملتی ہیں لیکن ہم اس قصہ کے اجمال پر قناعت کو ترجیح دیتے ہیں۔ قرآن نے جو کچھ بیان کیا ہے اُس سے اس کے مقصود کی وضاحت ہوجاتی ہے اور روایات میں مذکور تفصیلات سے اس مقصود کی وضاحت میں کوئی مدد نہیں ملتی ہے''۔ ۲۰

سورتوں اور ان کی آیات کے درمیان ربط وتعلق کے اثبات اور ان کے موضوعات اور ان میں وحدت کی تشریح وتوضیح کے لیے انھوں نے جو الفاظ استعمال کیے ہیں ان میں سیاق، تناسق اور ان سے مشتق بعض الفاظ کے علاوہ جولۃ، شوط، تعقیب ختام، ربط، ارتباط، ایقاع، عرض، مشہد، جو، ظلال، اطار اور مجال خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

منفرد ادبی اسلوب کی شاہ کار

سید قطب عصر حاضر کے مشہور ادیب اور ناقد تھے۔ ان کی تفسیر میں ان کا ادبی اور تنقیدی ذوق بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ انھوں نے جدید ادبی انداز اور معیارات کے مطابق قرآن مجید کے ادبی حسن اور اعجاز کو نہایت عمدگی سے پیش کیا ہے۔ ان کا یہ اختصاص ہے کہ انھوں نے ایک طرف فصیح و بلیغ عربی زبان میں قرآنی آیات کے اسالیب، ان کے محاسن اور ان میں موجود بلاغت اور اعجاز کے نادر گوشوں کی وضاحت کی ہے تو دوسری طرف قرآنی آیات اور الفاظ کے اندر موجود نغمگی، ترنم اور موسیقیت کو بھی نمایاں کیا ہے اور تیسری طرف قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات، دوزخ اور جنت کے مناظر، قیامت کے احوال اور دیگر حقائق کی پیش کش میں تصویر کشی اور منظر نگاری کے فنی عناصر کی موجودگی اور ان کے استعمال پر روشنی ڈالی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ کائنات اور اس کی موجودات اور اشیاء میں جو حسن و جمال اور ذوق و وجدان کی تسکین کا جو سامان بکھرا پڑا ہے اور جس کی طرف قرآن مجید نے جگہ جگہ اشارے کیے ہیں انھوں نے ان سب کو بہت نمایاں کر کے پیش کیا ہے اور ان کی ایسی بلیغ تشریح کی ہے کہ اس سے ان کی رعنائی و شگفتگی اجاگر ہو جاتی ہے اور قارئین کے جمالیاتی ذوق کی تسکین و تسلی کا سامان فراہم ہوتا ہے۔ اس طرح اس تفسیر میں مصنف کے اختیار کردہ اسلوب کو بجا طور سے ایک منفرد ادبی اسلوب قرار دیا گیا ہے۔ ادب اور تنقید میں اپنے ممتاز مقام و مرتبہ کے باعث وہ بلاشبہ اس کے مستحق تھے۔ ان کے تفسیری اسلوب کا ایک بڑا خاصہ یہ ہے کہ انھوں نے ان علمی اصطلاحوں اور الفاظ کے استعمال سے گریز کیا ہے جن سے دوسری تفاسیر بھری پڑی ہیں اور ان کے بالمقابل انھوں نے کچھ ایسے الفاظ اور اصطلاحات کا بکثرت استعمال کیا ہے جو ان کی ذات اور شخصیت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اس کا ادراک ہر وہ شخص بہت آسانی سے کر لے گا جو ان کے طرز تحریر اور ان کی تصانیف سے واقف ہوگا۔

سید قطب کو قرآن مجید کے اسالیب اور ان کے فنی محاسن سے شغف اور دلچسپی

اُس وقت سے تھی جب وہ عمر کی ابتدائی منزلیں طے کر رہے تھے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ بچپن میں قرآنی آیات کی تلاوت کے دوران وہ بعض مقامات پر ٹھہر کر اسلوب بیان کی جدت اور ندرت سے محظوظ ہوتے تھے اور خاص طور سے قرآن کریم کی تصویر کشی اور منظر نگاری سے متاثر اور مبہوت ہوتے تھے۔ ۲۱ یہ سلسلہ عمر کی ہر منزل میں جاری رہا۔ یہاں تک کہ ۱۹۳۹ء میں مجلّہ ''المقتطف'' میں سلسلہ وار مضامین کے ذریعہ ان سے متعلق اپنے افکار و خیالات کو مرتب انداز میں پیش کرنے کی شروعات کی۔ ان مضامین میں وہ قرآن مجید کے مختلف مقامات سے ایسی آیات کا انتخاب کرتے تھے جن میں افراد یا اقوام کے احوال و واقعات بیان کیے گئے ہیں پھر وہ ان میں پوشیدہ فنی خوبیوں کو اجاگر کرتے تھے۔ ۲۲ جب ان مضامین کی معتد بہ تعداد منظر عام پر آگئی اور انھیں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا تو انھوں نے ان کا مجموعہ ''التصویر الفنی فی القرآن'' کے نام سے شائع کر دیا۔ ۲۳

وہ قرآن میں منظر کشی یا تصویر کشی کے اسلوب کے بارے میں اپنی بنیادی فکر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''قرآنی مناظر یا تصویری خاکے، اس کے دوسرے اجزاء سے الگ اور مختلف نہیں ہیں۔ یہ قرآن مجید کی تعبیر اور اظہار بیان کا ایک مسلمہ اصول ہے۔ قرآن مجید نے اپنی تمام اغراض و مقاصد میں اس سے کام لیا ہے۔ اس لیے گویا بحث چند خاکوں یا تصویروں سے پردہ کشی سے نہیں بلکہ مسلمہ اصولوں کی وضاحت سے ہے''۔ ۲۴

وہ ایک جگہ مزید وضاحت سے لکھتے ہیں:

> ''تصویر قرآن مجید کے اسلوب کی ایک نمایاں خصوصیت ہے اور قرآنی مضامین کو ذہن نشیں کرانے کا ایک ذریعہ ہے۔ تصویر کے ذریعہ ذہن میں مخفی امور اور نفسانی حالات کو محسوس صورت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح تصویر کے ذریعہ عام طور سے دیکھے جانے والے حوادث، انسانی اجسام اور طبائع کی منظر کشی کی جاتی ہے۔ پھر سلیقہ سے کھینچی ہوی

اس تصویر میں زندگی اور حرکت نمودار ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں ایک ذہنی چیز متشکل اور متحرک ہوکر سامنے آجاتی ہے''۔ ۲۵

سید قطب قرآن مجید کے اس اچھوتے اور موثر اسلوب کی اہمیت اور افادیت کے اس قدر قائل اور اس سے دوسروں کو روشناس کرانے کے لیے اس قدر بے چین تھے کہ جیل کی پرمشقت زندگی میں جب لکھنے پڑھنے کی معمولی سے سہولت فراہم کی گئی تو انھوں نے اسے اپنی دیرینہ آرزو کے مطابق قرآن سے متعلق اپنے خیالات اور تاثرات کی جمع و ترتیب اور تالیف کے لیے غنیمت سمجھا۔ چنانچہ یہ بات پورے یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ ان کی تفسیر ''فی ظلال القرآن'' ان کے نظریہ ''التصویر الفنی فی القرآن'' کی تشریح وتعبیر ہے۔ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اپنی پوری زندگی قرآن مجید کے فنی جمال کے مختلف گوشوں اور اس کی تعبیر اور تصویر کشی میں ارتباط اور مماثلت کے مختلف پہلوؤں کا انھوں نے جو ادراک کیا اور ان سے جس طرح متاثر ہوئے، ان کی تفسیر ان کے ان ہی ادراکات، تاثرات، احساسات اور نتائج فکر کی آئینہ دار اور عکاس ہے۔

وہ اسی بات کو ایک جگہ مزید وضاحت کے ساتھ اس طرح لکھتے ہیں:

''میں نے اپنے ان خیالات اور تاثرات کو اس کتاب معجز کے مطالعہ کے دوران اس کے فنی جمال کے تعلق سے میرے دل میں آئے، پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ میرے نزدیک قرآنی تعبیرات اور تصویر کشی میں باہم ربط واتصال ہے۔ میں نے تفسیر کے ذریعہ اس نظریہ کی عملی تطبیق پیش کی ہے۔ یہ میری دلی آرزو تھی جو میرے دل میں اُس وقت سے انگڑائی لے رہی تھی جب میں نے اپنی کتاب ''التصویر الفنی فی القرآن'' کی تکمیل کی تھی۔ اُس وقت میں نے اپنے اس خیال کو بہت صاف طور سے پیش کیا تھا کہ ''میرے نزدیک تصویر کشی قرآنی اسالیب میں ایک نمایاں اور مہتم بالشان اسلوب ہے اور اس کی حیثیت تفسیر قرآن کے اہم اصول اور کلید کی ہے۔'' گرچہ اُس کتاب کے مطالعہ سے میرے فکر اور نظریہ کی پوری

تشریح وتفصیل سامنے آجاتی ہے لیکن میری یہ خواہش پھر بھی باقی رہی کہ
میں اس اصول اور نظریہ کے مطابق پورے قرآن کی تفسیر پیش کروں۔ یہ
آرزو کبھی کمزور اور کبھی مضبوط ہوتی رہی یہاں تک کہ ''فی ظلال القرآن''
کی شکل میں اسے پوری کرنے کا موقعہ ملا''۔ ۲۶

یوں تو پوری تفسیر کے تقریباً ہر صفحہ پر مذکورہ فکر اور نظریہ کے مطابق قرآنی الفاظ اور آیات کی تشریح اور تفسیر کے نمونے اور مثالیں موجود ہیں۔ لیکن اس مقصد سے خاص طور سے سورہ الاعراف، سورہ الرعد اور سورہ فاطر کا مطالعہ کیا گیا تو بڑی اچھوتی، جاذب نظر اور پرکشش مثالیں (پیراگرافس) موجود پائی گئیں۔ مصنف نے اپنی بات کہنے کے لیے بہت عمدہ اور صاف ستھری زبان اور اچھے الفاظ اور عمدہ تراکیب کا سہارا لیا ہے۔ ان سب کی وضاحت اور تشریح کے لیے کافی وقت اور کثیر صفحات مطلوب ہیں۔

جدید افکار وعلوم سے استفادہ

عصر حاضر کی بیش تر تفاسیر، جدید عصری اور سائنسی علوم سے استفادہ یا عدم استفادہ کے باب میں افراط وتفریط کی شکار ہیں وہ یا تو سائنسی معلومات سے یکسر خالی ہیں یا ان کے تابع اور ان سے متاثر ہیں۔ فی ظلال القرآن کے مصنف کا یہ امتیاز ہے کہ ایک طرف وہ قرآن وسنت اور دینی علوم میں درک اور گہری بصیرت رکھتے تھے اور دوسری طرف انھیں مغربی افکار ونظریات اور فلسفوں پر مکمل عبور حاصل تھا۔ مزید برآں مغرب میں قیام کرکے مغربی تہذیب کی کنہ وحقیقت کو بہت قریب سے دیکھا اور سمجھا تھا، اپنے علمی آفاق کی اس ہمہ گیری، وسعت اور جامعیت کی وجہ سے وہ مغربی علوم اور تہذیب کے نہ تو مکمل شیدائی اور عاشق تھے اور نہ ہی بے لچک ناقد اور بے انتہا متنفر تھے۔ وہ ان کے اچھے پہلوؤں کے قدرداں اور ان سے استفادہ کے داعی تھے اور ان کے مضر اور منفی پہلوؤں سے گریزاں اور محترز تھے۔ ان کی تفسیر کے مطالعہ سے اس باب میں ان کے موقف کی موضوعیت اور اس میں اعتدال کا بے ساختہ اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ ۲۷ بلاشبہ ان کی یہ تفسیر

عصر حاضر کے ایک صاحب علم و بصیرت فرد کی مجتہدانہ مساعی کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ اس میں جگہ جگہ انھوں نے ان اشکالات اور سوالات کا تشفی بخش جواب دیا ہے جو جدید افکار و علوم کے فیض یافتگان کے ذہن و دماغ میں کتاب و سنت کے حوالہ سے اٹھتے اور پیدا ہوتے تھے۔ پوری تفسیر کے مطالعہ سے جہاں قرآن اور سائنس اور وحی الٰہی اور عقل انسانی کے مابین صحیح رشتہ اور تعلق کا اندازہ ہوتا ہے وہیں دونوں میں عدم موافقت یا تصادم کی صورت میں قرآنی تصریحات کی حقانیت و ارجحیت اور وحی الٰہی کے غلبہ و تفوق پر ایمان و یقین کے لیے مضبوط دلائل فراہم ہوتے ہیں۔

سائنس کی بنیاد انسانی عقل اور تجربہ پر ہے۔ سید قطب انسان کی عقل اور اس کی قوت مشاہدہ و تجربہ کی اہمیت کے قائل ہیں۔ یہ انسانوں کے لیے ان کے خالق کی طرف سے بہت بڑا تحفہ ہے۔ ان کے مطابق انسان اس کے ذریعہ کائنات کے اندر موجود پائیدار اصولوں اور قوانین میں سے بعض کا پتہ لگاتا ہے اور موجودات عالم کی طبیعت اور خواص کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر انھیں اپنی مختلف ضروریات کی تکمیل اور اپنی گوناگوں ترقیات کے لیے استعمال کرتا ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود چونکہ انسانی عقل کی رسائی محدود ہے اور اس سے حاصل شدہ نتائج قطعی اور آخری نہیں ہوتے اس لیے محض عقل کے ذریعہ، وحی اور رسالت سے ثابت شدہ حقائق کو جانچنا اور پرکھنا، انتہائی نامناسب ہے۔[۲۸]

سید قطب نے اس بات پر بے حد زور دیا ہے کہ قرآن مجید میں جس جگہ بھی کائنات اور اس کے مظاہر اور موجودات کا تذکرہ کیا گیا ہے اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ انسان ان کے ذریعہ ان کے خالق اور اپنے مقام و مرتبہ کی معرفت حاصل کرلے اور رشد و ہدایت کے مطلوبہ مقام پر پہنچ جائے۔ ظاہر ہے مشاہدہ اور احساس کے دائرہ میں آنے والے حقائق کے ذریعہ غیر مشاہد اور غیر مرئی حقائق تک پہنچنا آسان ہوتا ہے۔ اس مضمون کو انھوں نے اپنی تفسیر میں بہت شرح و بسط سے بیان کیا ہے ان میں سورہ فاطر (آیت ۲۷/ ۲۸)[۲۹] اور سورہ آل عمران (آیت ۱۹۰/ ۱۹۱)[۳۰] کے حواشی بطور خاص لائق مطالعہ ہیں۔

جدید سائنسی معلومات سے استفادہ اور ان کے حوالہ کے دوران انھوں نے بار بار یہ وضاحت بھی کی ہے کہ قرآن مجید کوئی سائنسی کتاب نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کے بیانات اور تصریحات کا سائنس سے ثابت ہونا ضروری ہے۔ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اُس کا مقصد انسان کو رشد و ہدایت سے ہمکنار کرنا ہے۔ اس کے لیے اس نے جو دلائل و براہین فراہم کیے ہیں ان کا ایک حصہ کائنات اور اس کی اشیاء سے متعلق ہے۔ خالق کائنات نے اپنی مصلحتوں کے تحت اپنی کائنات کے جن حقائق سے آگاہ کیا وہ حتمی اور یقینی ہیں۔ ان کا جائزہ انسان کی عقلی اور فکری کاوشوں سے لینا، حد درجہ کی زیادتی اور ظلم ہے۔ اس ضمن میں ان کے خیال سے صحیح واقفیت کے لیے سورہ المومنون کی ابتدائی آیات میں ان کے تفسیری نوٹس کا مطالعہ مناسب ہوگا۔ اس میں ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:

> ''انسانی تخلیق کی یہ حقیقت ہمیں قرآن سے معلوم ہوتی ہے۔ ہم ان کی تصدیق، جدید نظریات سے نہیں طلب کریں گے، یہ نظریات انسانی تخلیق کی مختلف کڑیوں کو ملانے کی کوشش کرتے ہیں، جو صحیح بھی ہوسکتی ہیں اور غلط بھی۔ ہمیں چاہیے کہ ہم قرآن کی بیان کردہ تفصیل پر ایمان لائیں۔ سائنسی نظریات کا معاملہ یہ ہے کہ وہ آج ایک بات کو ثابت شدہ قرار دیتے ہیں اور کل خود ہی اس کی تردید کردیتے ہیں''۔ ۳۱

جدید سائنسی معلومات سے استفادہ کی ایک بہترین مثال سورہ الاعراف کی آیت ۱۷۲ ہے۔ جس کی تشریح کرتے ہوئے انھوں نے نسل انسانی کی بقا و ارتقا میں کارفرما موروثی اثرات کی اہمیت کو جدید سائنسی انکشافات اور اعترافات کی روشنی میں ثابت کیا ہے۔ اس کی دوسری مثال سورہ فصلت آیت نمبر ۵۳ ہے، جس کی تفسیر میں انھوں نے بیسویں صدی میں علوم و فنون کی ترقیوں اور کائنات اور نفس انسانی کے بہت سے راز ہائے سربستہ سے انسانوں کی واقفیت کو اللہ تعالیٰ کے وعدہ (ارائۃ آیات) کی تکمیل قرار دیا۔ ۳۲

لیکن سائنس کی مفید معلومات سے استفادہ اور سائنسی ترقیوں کو سراہتے ہوئے انھوں نے سائنس کے نقائص اور مضر پہلوؤں پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس سلسلے

میں ان کا نظریہ یہ ہے کہ آج کا انسان اگر کائنات سے متعلق اپنی معلومات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی قوت، حکمت اور طاقت کا اندازہ کرتا ہے اور ان سے اُس کا اپنے رب سے تعلق مضبوط اور پختہ ہوتا ہے تو یہ معلومات مستحسن اور مفید ہیں۔ لیکن آج کی سائنس کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ اس کی بنیاد مادیت اور خدا فراموشی پر ہے اس لیے یہ انسانوں کے لعنت اور ان کی زندگی کے لیے خطرہ بن گئی ہے۔ اس کے باعث ہر جگہ خوف و دہشت کا ماحول اور چہار جانب بے چینی اور اضطراب کا دور دورہ ہے۔ ۳۳

اس اصول کی روشنی میں انھوں نے مغرب کی خدا بیزار تہذیب کی زیر سرپرستی قائم، مروجہ باطل افکار و نظریات کی پرزور تردید کی ہے۔ چنانچہ ڈارون کے نظریۂ ارتقا، مارکس کے نظریہ تاریخ، سیکولرازم، سوشلزم، سرمایہ داری، مغربی طرز جمہوریت اور صہیونیت پر ان کی بہت سخت تنقیدیں ان کی تفسیر کے متعدد مقامات پر ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ جدید تہذیب اور علوم کے معماروں اور سرپرستوں کی امور غیب سے لاپروائی اور عدم اعتنا پر وہ بہت زیادہ ناراض ہیں۔ انھوں نے زور دے کر لکھا ہے کہ ''یہ دور جدید کی بہت بہت بڑی جہالت ہے۔ انسانی فطرت اور انسانی علوم کی تاریخ دونوں اسے مسترد کرتے ہیں۔ یہ در اصل صہیونیوں کی سازش کا ایک حصہ ہے۔ یہ شر پسند انسانی فطرت کے ہر اچھے وصف کو ختم کر دینے کے درپے ہیں۔'' ۳۴

انھوں نے بعض قدیم و جدید فلاسفہ کے اس خیال کو رد کیا ہے کہ ''پوری کائنات اور اس کے مظاہر انسان کے دشمن اور اس کی ترقی کے راہ میں حائل ہیں۔ اور انسان اپنی پسند اور ارادہ سے اس مخالفت کی بنا پر کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام نہیں دے سکتا ہے'' اس کے مقابلہ میں انھوں نے انسان کے بلند مقام، اس کی خلافت اور اس کے لیے کائنات کی تسخیر سے متعلق قرآنی تصریحات کی روشنی میں انتہائی معقول دلائل فراہم کیے ہیں۔ ۳۵

تفسیر کے مآخذ

بلاشبہ تفسیر ''فی ظلال القرآن'' دینی معلومات کے ساتھ بہت سے معاصر علوم اور

نظریات کا انسائیکلو پیڈیا ہے، اس کی وجہ اس کے مصنف کی دین اسلام کے بنیادی مآخذ -قرآن و سنت- پر گہری نظر، اقوال صحابہ و تابعین اور کتب تفسیر و حدیث کا بالاستیعاب مطالعہ، حضرت محمدؐ کی رسالت سے قبل کے مذاہب، ادیان ونظریات اور شخصیات سے کامل واقفیت، تاریخ عالم، تاریخ عرب اور تاریخ اسلام پر پورا عبور اور جدید مغربی تہذیب اور اس کی پشت پر کارفرما نظریات اور علوم و افکار سے مکمل آگہی ہے۔ مذکورہ علمی وفکری ذخائر پر عرصۂ دراز تک غور وفکر اور مطالعہ وتحقیق کے نتیجہ میں ان کے ذہن و دماغ کی ایک مخصوص کیفیت اوران کی پوری شخصیت کی ایک منفرد شناخت بن گئی تھی جو اجتہاد، تخلیق اور ابتکار سے عبارت تھی۔ ان کی یہ تفسیر ان کی ہمہ جہت علمی وفکری صلاحیتوں کی آئینہ دار ہے۔ اس تفسیر میں بے شمار اور ان گنت ایسے مواقع اور مقامات ہیں جہاں مختلف موضوعات پر انھوں نے ایسی مفید اور قیمتی باتیں قلمبند کی ہیں جن کا مطالعہ کر کے عقیدہ، فکر، فلسفہ اور تمدن کے حوالہ سے بے شمار سوالات کا جواب اور اشکالات کا حل سامنے آجاتا ہے اور قاری کو سکون اور اطمینان کی دولت نصیب ہوتی ہے اور دین اسلام کی صداقت اور حقانیت پر اس کے ایمان و یقین میں استحکام اور پختگی آتی ہے۔

یہاں اس امر کی شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس عظیم الشان اور مایہ ناز تفسیر کے ان مآخذ اور مصادر کا مختصر تعارف پیش کیا جائے جن کے باعث اس کی قدر و منزلت اور اہمیت وافادیت میں بیش از بیش اضافہ ہوا۔ اس مقصد کے تحت جب اس کا مطالعہ کیا گیا تو یہ حقیقت سامنے آئی کہ اُس کے مصنف کے افکار و خیالات کی تکوین و تشکیل میں جس کتاب نے سب سے اہم کردار ادا کیا وہ قرآن مجید ہے۔ اس کے بعد سنت نبوی ہے جس تک رسائی حدیث کے ان مجموعوں سے ممکن ہوئی جو محدثین کرام نے بڑی سعی و جہد کے بعد مرتب کیے تھے۔ پھر صحابہ کرام اور تابعین عظام کے اقوال اور قدیم علماء امت اور ائمہ دین کی وہ مصنفات ہیں جن کا ایک حصہ تفسیری کتب ہیں اور جن کے دیگر اجزاء میں سیرت، تاریخ، فقہ، کلام، اسرار دین وشریعت سے متعلق کتب آتی ہیں۔ سید قطب نے دین اسلام کے ان بنیادی مآخذ اور مصادر سے بھرپور استفادہ کے ساتھ قدیم

آسمانی اور غیر آسمانی مذاہب، ادیان اور افکار ونظریات کے مصادر کا بھی گہرائی سے مطالعہ کیا تھا اور ان کا تنقیدی وتحلیلی جائزہ لیا تھا۔ ان کے علاوہ انھوں نے دور حاضر کے مسلم علماء اور غیر مسلم مفکرین، دانش وروں اور سائنس دانوں کی تصانیف اور عصری (سماجی، سیاسی اور اقتصادی اور تہذیبی) افکار ونظریات کا انتہائی باریک بینی اور کھلے ذہن و دماغ سے مطالعہ کیا تھا۔

اس وسیع مطالعہ، طویل غور وفکر اور مجتہدانہ زاویہ نظر کی وجہ سے انھوں نے جہاں اپنی تفسیر میں حدیث کے تمام مجموعوں، بطور خاص بخاری، مسلم، مسند احمد اور سنن ابوداؤد سے بہ کثرت احادیث نقل کی ہیں وہیں مفسرین، مورخین اور سیرت نگاروں میں سے ابن ہشام، ابن اسحٰق، ابن جریر، ابن کثیر، زمخشری، قرطبی، ابن حزم، ابن قیم اور مقریزی رحمہم اللہ کی تصانیف یا ان کی روایات سے اپنی تفسیر کے بے شمار مقامات پر استفادہ کیا ہے اور ان سے طویل اقتباسات نقل کیے ہیں۔ انھوں نے دوسرے مذاہب اور ادیان کے مآخذ، خاص طور سے عہد نامہ قدیم و جدید (تورات اور انجیل)، اسی طرح قدیم یونانی، رومی، ایرانی اور ہندوستانی تہذیبوں اور ان کی پشت پر کارفرما افکار ونظریات کا تعارف پیش کرنے والے جدید وقدیم مصادر کی طرف مراجعت اور ان سے استفادہ کیا ہے۔ جدید مصادر سے مراد وہ تحقیقات اور علمی وتصنیفی کاوشیں ہیں جو گزشتہ تین یا چار صدیوں کے دوران یورپ اور دنیا کے بعض دوسرے علاقوں میں انسانوں کے اس کرہ ارض پر وجود، ان کے نسلی، تہذیبی اور سماجی ارتقا، ان کی تاریخ کے مد وجزر، زمین پر ان کی سلطنت اور حکمرانی کی اہم علامات اور نقوش کی تلاش وجستجو، ان تک رسائی اور ان کی پیش کش کے حوالہ سے ہوئی ہیں اور ان سب کے نتیجہ میں قدیم اقوام وملل اور افراد واشخاص کے تعلق سے ایسے حقائق اور انکشافات سامنے آئے جن سے گزشتہ زمانے کے لوگ ناواقف تھے۔ سید قطب ان تمام علمی تحقیقات سے بالواسطہ یا بلاواسطہ واقف تھے اور ان کا تذکرہ اپنی تفسیر کے مختلف مقامات پر کیا ہے۔[۳۶]

انھوں نے جدید زمانے کے جن مسلم علماء اور محققین کی تصانیف کا حوالہ دیا ہے

ان میں محمد عبدہٗ، رشید رضا، عبدالقادر عودہ، محمد قطب، ابوزہرہ، عبدالقادر مغربی، ابوالاعلیٰ مودودی اور ابوالحسن علی ندوی رحمہم اللہ عزوجل وغیرہم قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے برصغیر کے مؤخر الذکر دونوں علماء کا تذکرہ اور ان سے استفادہ بہت احترام واکرام کے ساتھ کیا ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کو ایک جگہ ''المسلم الصادق'' ۳۷ اور ایک دوسری جگہ ''المسلم العظیم'' ۳۸ کہا ہے اور ایک جگہ ان کی کتاب ''سود'' کے مباحث کو ''البحوث الدقیقۃ القیمۃ'' جیسے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ ۳۹ اسی طرح ایک مقام پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مرحوم کی کتاب ''ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین'' کو اپنے موضوع کی منفرد کتاب قرار دیا ہے۔ ۴۰

انھوں نے مغربی مفکرین اور سائنس دانوں کی تصانیف اور تحقیقات کا حوالہ اکثر و بیش تر قرآن مجید کی ان آیات کی تشریح وتوضیح کے دوران دیا ہے جو کائنات، اس کے مظاہر، اس کی اشیاء، انسان کی تخلیق کے واقعہ، اس کے وجود کی حقیقت، اس کے مقام و مرتبہ، اس کے فرائض اور ذمہ داریوں وغیرہ سے بحث کرتی ہیں اور ان کی طرف انسانوں کو غور وفکر اور ان سے صحیح نتیجہ اور رہنمائی حاصل کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔ اسی طرح انھوں نے مغربی افکار ونظریات کا تذکرہ (جو کبھی کبھی استفادہ کی غرض سے کیا ہے اور اکثر وبیش تر نقد وجرح کے مقصد سے) ان آیات کی تفسیر کے ذیل میں کیا ہے جن میں دین اسلام کے بنیادی تصورات زیر بحث آئے ہیں۔ انھوں نے ان دینی تصورات مثلاً ایمان بالغیب، ایمان بالرسالۃ، ایمان بالآخرہ، ہدایت بالقرآن، عبادت الٰہ واحد، وغیرہ کی انتہائی مضبوط دلائل، بھرپور جرأتِ ایمانی اور کامل عزم ویقین سے ترجمانی اور وکالت کی ہے اور ان کے بالمقابل مغربی تصورات مثلاً ہر قسم کی ہدایت کے لیے عقل انسانی پر انحصار، کسی مافوق الفطرت ہستی کے وجود اور اس کی رہنمائی کی ضرورت کا انکار، مادہ پرستی، اباحیت پسندی، قوم پرستی، اشتراکیت، سرمایہ داری، صہیونیت، فرعونیت وغیرہ پر خوب جم کر تنقید کی ہے اور ان کے دلائل کے ضعف اور بے وزنی کو اجاگر کیا ہے۔ ۴۱ انھوں نے ان مغربی مفکرین اور ان کے نظریات کا تذکرہ کبھی ان کے نام کی صراحت کے ساتھ کیا ہے اور کبھی نام لیے بغیر ان کے افکار کو ان کی طرف منسوب کر کے۔ مثلاً ''اصحاب العلمیۃ المعاصرۃ''، اصحاب

الجاہلیۃ الجدیدۃ، صاحب العلمیۃ الاشتراکیۃ، اہل الجاہلیۃ الحاضرۃ، الجاہلیۃ الجدیدۃ'' وغیرہ۔۴۲ تذکرہ کا یہی طریقہ انھوں نے بعض معاصر مسلم دانشوروں کے سلسلے میں بھی اختیار کیا ہے۔ خاص طور سے وہ اصحاب جو مغربی فکر وفلسفہ سے متاثر اور مشرق میں ان کی ترویج واشاعت کے لیے کوشاں اور فکر مند تھے۔ ان کا تذکرہ ان کے نظریات مثلاً وطنیت، شعبیت، عقلیت اور حریت وغیرہ کی نسبت کے ساتھ کیا ہے۔۴۳

مراجع اور مصادر کی یہ بحث، اس حقیقت کے اظہار کے بغیر ناقص رہے گی کہ اس تفسیر کے مصنف نے سب سے زیادہ اقتباسات اور حوالے، خود اپنی تفسیر اور اپنی کتابوں سے اخذ اور نقل کیے ہیں۔ سورتوں سے متعلق ابتدائی اور تمہیدی مباحث میں انھوں نے کثرت سے سابقہ سورتوں کے مباحث کا حوالہ اور ان کی طرف مراجعت کا مشورہ دیا ہے۔ اسی طرح مختلف الفاظ، آیات اور تراکیب کی تشریح وتوضیح کے دوران بھی انھوں نے اپنی تفسیر کے ان مقامات کی نشان دہی کی ہے جہاں وہ ان سے قبل تفصیل سے گفتگو کر چکے ہوتے ہیں۔ تفسیر کے علاوہ مختلف موضوعات پر اپنی وقیع اور مدلل تصانیف سے بھی بہت کثرت سے اقتباسات پیش کیے ہیں اور جدید طرز کے مطابق ان کے حوالے دیے ہیں۔ ان میں سے ''التصویر الفنی فی القرآن''، ''معالم فی الطریق''، ''مشاہد القیامۃ''، ''خصائص التصور الإسلامی''، ''ہذا الدین'' اور ''الإسلام ومشکلات الحضارۃ'' خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

مذکورہ بالا مآخذ ومصادر کی کثرت اور تنوع کی بنا پر ان میں سے ہر ایک کا تعارف اور ان سے استفادہ کی مقدار اور شکل وصورت کا تعین ایک مشکل اور طویل بحث وتحقیق کا متقاضی کام ہے اس کے لیے فرصت اور صلاحیت کے علاوہ کسی مجلّہ کے محدود صفحات کی تنگ دامنی بھی ایک امر مانع ہے۔ اس لیے ان سب سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول کی رعایت اور کارفرمائی کی بعض شکلوں اور صورتوں کی وضاحت پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

تفسیر القرآن بالقرآن

سید قطب کی تفسیر کا سب سے اہم ماخذ خود قرآن مجید ہے۔ اس طرح اسے ''تفسیر القرآن بالقرآن'' کا اعلیٰ نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ انھوں نے قرآنی الفاظ و آیات کے مفاہیم و معانی کی تعیین و تشریح میں سب سے زیادہ انحصار و اعتماد قرآن مجید کے استعمالات اور نظائر پر کیا ہے۔ اسی طرح انھوں نے سورتوں کے اغراض و مقاصد، ان میں اور ان کی آیات میں باہمی ربط و تعلق، سیاق کلام اور اسالیب بیان کی وضاحت و صراحت کا جو عظیم کارنامہ انجام دیا ہے اس کی سب سے بنیاد کتاب اللہ سے استفادہ کا یہی نظریہ اور موقف ہے۔ دین اسلام کے مختلف تصورات کی وضاحت، انسانیت کے مسائل کے تجزیہ، انسانی عقائد اور افکار کی تاریخ کے مطالعہ، جدید علمی و تہذیبی نظریات سے استفادہ یا ان پر تنقید وغیرہ میں بھی انھوں نے سب سے قطعی اور مستند دلائل کتاب اللہ سے فراہم کیے ہیں۔ قرآنی قصص اور ان کے اسالیب اور ان کے اغراض وغیرہ پر جو انھوں نے سیر حاصل گفتگو کی ہے اس کا بھی سب سے بڑا ماخذ یہی کتاب ہے۔

قرآنی الفاظ کے معانی کے تعین میں ان کے طریقۂ کار سے واقفیت کے لیے درج ذیل مثالوں سے مدد ملتی ہے:

سورہ المائدہ آیت ۵۰ میں وارد لفظ جاہلیت کی تشریح کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

> ''اس نص سے جاہلیت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ جاہلیت، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اور ان کی کتاب بیان کر رہے ہیں، انسان پر انسان کی حکمرانی کا نام ہے۔ کیوں کہ یہ انسان کے ذریعہ انسان کی بندگی کرنے، اللہ کی بندگی سے نکل جانے، اس کی الوہیت کا انکار کر دینے اور اس کے بالمقابل انسان کی عبادت اور الوہیت کے تسلیم کر لینے کی دعوت دیتی ہے۔''[۴۴]

اسی سورہ کی اگلی آیت ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى

أَوْلِيَـــاء .....'' میں وارد لفظ ولی اور ولایت پر اپنی طویل بحث کا آغاز ان الفاظ میں کیا ہے:

''ولایت کا مطلب یہود و نصاریٰ کی مدد اور ان سے دوستی ہے۔ ان کے دین کی پیروی مراد نہیں ہے، کیوں کہ مسلمانوں سے یہودیت یا نصرانیت کی اتباع کی امید نہیں کی جاسکتی ہے، البتہ وہ ان سے دوستی اور ان کی مدد کے معاہدے کر سکتے تھے اور کیا تھا۔ اس سے انھیں منع کیا گیا ہے۔''۴۵

اسی طرح سورہ الاعراف کی آیت ۱۱ میں ''ولقد خلقناکم وصورناکم'' کی تشریح کرتے ہوئے پہلے خلق اور تصویر کا لفظی معنی بیان کیا ہے۔ پھر قرآن مجید کے دوسرے مقام کی ایک آیت ''الذی اعطی کل شیٔ خلقه ثم هدی'' کی روشنی میں اس کی وضاحت اس طرح سے کی ہے:

''گویا اللہ تعالیٰ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم نے انسان کو صرف پیدا ہی نہیں کیا بلکہ اس کو انتہائی عمدہ صلاحیتوں سے نوازا ہے جن کی بدولت وہ دیگر تمام مخلوقات سے ممتاز ہے۔''۴۶

سورہ والتین میں وارد دو الفاظ ''تین'' اور ''زیتون'' کے بارے میں احادیث اور تفسیری روایات میں جو تفصیلات موجود ہیں ان کا خلاصہ پیش کیا ہے پھر قرآن مجید میں لفظ زیتون کے دو اور جگہ استعمال ہونے اور تین کے کہیں اور استعمال نہ ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہم اس سلسلے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ قرآنی سورتوں کے انداز اور نظائر پر اعتماد کرتے ہوئے ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ تین اور زیتون کے تذکرہ کا مقصد ان احکام کی طرف اشارہ اور ان یادوں کو تازہ کرانا مقصود ہے جو ان کے حوالہ سے دین اور ایمان سے وابستہ ہیں یا جن کا تعلق انسان کی بہترین ساخت پر خلقت سے ہے''۔۴۷

سورہ والنازعات کی ابتداء میں استعمال شدہ الفاظ ''نازعات''، ''ناشطات''،

''سابحات'' اور ''سابقات'' وغیرہ کے مفہوم و معنی کی مختصر وضاحت اور اس میں ضمن میں چند روایات کے تذکرہ کے بعد الفاظ کی تحقیق کے سلسلے میں اپنے اصل موقف کی تشریح اور تعارف اس طرح کراتے ہیں:

> ''ان الفاظ کا مدلول خواہ کچھ ہو یہ جس طرح قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں ان سے ہمارے احساس میں حرکت اور بیداری، شعور میں اضطراب اور برانگیختگی اور ذہن و دماغ میں کسی خطرناک چیز سے تحفظ اور احتراز کا داعیہ اور جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح یہ الفاظ انسان کو پیش آنے والی مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لیے آمادہ اور تیار کرتے ہیں۔ اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمارا طریقہ کار یہ ہے کہ ہم قرآنی الفاظ کی لغوی تحقیق و تفتیش کو نظر انداز کرتے ہیں تاکہ ہم ان الفاظ اور جملوں کے مزاج اور طبعی تقاضوں کے تحت قرآن کے زیر سایہ زندگی بسر کرسکیں۔'' ۴۸

یہاں انھوں نے حضرت عمرؓ سے متعلق ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ وہ سورہ عبس کی تلاوت کے دوران اس کی آیت 'وفاکہۃ وابّاً'' میں لفظ ''ابّ'' کے معنی کے فہم و ادراک کی خاطر کچھ دیر کے لیے ٹھہر گئے لیکن فوراً متنبہ ہوا اور اپنے کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا ''کتاب اللہ میں جو واضح ہو جائے اس کی پیروی کرو اور جو واضح نہ ہو اُسے چھوڑ دو''۔ اس واقعہ سے انھوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ''اس سے کتاب اللہ کے الفاظ کے احترام کی ترغیب ملتی ہے۔ اسی طرح جیسے ایک غلام اپنے آقا کے الفاظ کا احترام کرتا ہے''۔ ۴۹

سورہ الحدید کی پہلی آیت: ''سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ'' میں تسبیح کے معنی و مفہوم کی تشریح کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اُس سے بھی ان کی مذکورہ موقف کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کی تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہیں، اس سلسلے میں ہمیں صرف قرآن کے ظاہری مدلول پر توجہ

دینی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد کافی ہے۔ وہی اس کائنات اور اس کی اشیاء کا خالق اور ان کے اوصاف اور خواص سے باخبر اور آگاہ ہے۔ ہمارا علم اس کے بالمقابل کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہے۔ ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ ہم تسلیم کریں کہ زمین و آسمان کی تمام چیزوں کے اندر ایک خاص قسم کی روح ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے خالق اور مالک کی حمد و ثنا بیان کرتی ہیں۔ اسی خیال کی قرآنی آیات اور احادیث نبویہ سے تائید ہوتی ہے۔ (پھر آیات اور احادیث کا حوالہ ہے) ۵۰

قرآن مجید کے استعمالات اور نظائر کی روشنی میں اس کی کسی آیت یا مجموعہ آیات کی تشریح اور توضیح کی مثالیں تفسیر فی ظلال القرآن کے تقریباً ہر صفحہ پر موجود ہیں۔ اس کے اعتراف و تسلیم کے لیے سورہ فاتحہ کا مطالعہ کافی ہوگا جس کی تفسیر مختصر ہونے کے باوجود قرآن مجید کے دوسرے مقامات کی آیات کے حوالوں سے مزین ہے اس کے علاوہ قرآن مجید کی ہر سورہ میں بعض آیات ایسی ہیں (طویل اور وسیط سورتوں میں ان کی تعداد زیادہ ہے) جن کے مضامین، مواد اور دلائل کو سامنے رکھ کر سید قطب نے بہت تفصیل سے اپنی آراء اور خیالات پیش کیے ہیں۔ اکثر و بیش تر یہ مباحث اپنی طوالت، زور بیان اور طرز استدلال کی بنا پر مستقل مضامین یا مقالات سے مشابہ نظر آتے ہیں۔ ان مباحث میں حدیث، تفسیر، سیرت اور تاریخ کی مستند تصانیف اور کتابوں سے مراجعت کے علاوہ قدیم و جدید علماء، مفکرین اور فلاسفہ و حکماء کے افکار و خیالات سے بھی بھرپور استفادہ کیا گیا ہے لیکن ان سب کے بالمقابل قرآن کریم سے اخذ و استفادہ اور اس کی آیات کا حوالہ اور ان سے استناد و استشہاد کا معاملہ سب سے غالب اور واضح ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی آیات اور ان کے مفاہیم و معانی ان کے ذہن و دماغ میں راسخ، ان کی فکر و خیال میں پیوست اور ان کی زبان و قلم پر رواں دواں ہیں۔ یہاں مثال کے طور پر چند آیات کا حوالہ دیا جا رہا ہے جن کے مطالعہ سے مذکورہ خیال کی تصدیق ہوگی۔

سورہ البقرہ آیت ۲۷۵ (اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبَا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ

الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطَانُ مِنَ الْمَسِّ .....الخ) ۵۱ میں سود پر بحث، سورہ المائدہ آیت ۳۸ (وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَیْدِیَهُمَا.....الخ) میں جرائم سے متعلق قرآن کے احکام پر گفتگو، ۵۲ اسی سورہ کی آیات ۴۰ تا ۵۰ پر اللہ کی حاکمیت اور انسانوں کی اُس کے احکام و فرامین کی اتباع و تعمیل پر جامع اور تشفی بخش کلام، ۵۳ سورہ الاعراف آیت ۲۰۳ ''هَـٰذَا بَصَآئِرُ مِن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ''میں قرآن مجید کی عظمت و اہمیت اور اس کے مقام کی وضاحت، ۵۴ سورہ الذاریات آیت ۲۱ ''وَفِیْ أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ''میں نفس انسانی کے خواص اور امتیازات کی تشریح، ۵۵ وغیرہ۔

قرآن مجید سے استفادہ اور استناد کی سب سے عمدہ مثالیں وہ مقدمات اور ابتدائیے ہیں جو انھوں نے سورتوں کے آغاز میں تحریر فرمائے ہیں۔ ان میں سورتوں کے نام، زمانہ نزول، اسباب نزول وغیرہ کے علاوہ ان کے مرکزی موضوعات اور ان میں مذکور ہدایت ربانی کے نکات اور دعوت اسلامی کے مراحل کے علاوہ قرآن مجید کی مکی و مدنی سورتوں کے خواص، ان میں یکسانیت اور مماثلت کے پہلوؤں اور متعلقہ سورتوں کے موضوعات اور مضامین پر بہت تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ قرآنی سورتوں اور زیر غور سورہ کی آیات کا بار بار حوالہ اور تذکرہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ طویل اور اوسط سورتوں میں سے تقریباً تمام میں انھوں نے نہ صرف ماقبل و مابعد کی سورتوں اور ان کے مضامین کا تذکرہ کیا ہے بلکہ مکی اور مدنی سورتوں کے موضوعات کے امتیازات اور ان کے اسالیب وغیرہ کے تفردات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ ۵۶ ان امتیازات اور تفردات کی نشان دہی کرتے ہوئے انھوں نے سورتوں کے ذاتی اوصاف، ان کے مزاج اور اس کی ساخت وغیرہ پر ایک ایسا پیراگراف تحریر فرمایا ہے جس کا تفسیر کے مختلف مقامات پر اعادہ فرمایا ہے۔ اس کا عربی متن قارئین کی نذر کیا جا رہا ہے:

''ومن ثم یلحظ من یعیش فی ظلال القرآن ان لکل سورة من سوره شخصیة ممیزة، شخصیة لها روح یعیش معها القلب کما لو کان یعیش مع روح حی ممیز الملامح والسمات

والانفاس، ولها موضوع رئيسى أو عدة موضوعات رئيسية مشدودة الى محور خاص ولها جو خاص يظلل موضوعاتها كلها، ويجعل سياقها يتناول هذه الموضوعات من جوانب معينة، تحقق التناسق بينها وفق هذا الجو – ولها ايقاع موسيقى خاص – اذا تغير فى ثنايا السياق فانما يتغير لمناسبة موضوعية خاصة وهذا طابع عام فى سور القرآن جميعا ولا يشذ عن هذه القاعدة طوال السور كهذه السورة "۔ ۵۷

انھوں نے قرآن مجید میں مذکور مختلف انبیاء، اشخاص اور اقوام کے واقعات اور قصص پر بحث کرتے ہوئے استفادہ بالقرآن اور تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول کو پورے طور سے ملحوظ رکھا ہے۔ ان کی تفسیر میں ان واقعات کا جہاں کہیں بھی تذکرہ ہوا ہے ان کے مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ سامنے آیا ہے کہ ان واقعات کے نقل و تذکرہ اور تشریح و توضیح کے دوران انھوں نے چار اصولی باتیں ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھی ہیں۔

(۱) ان قصص و واقعات سے متعلق ان کی گفتگو ان کے سیاق و سباق اور نظم آیات کے مطابق رہے (۲) کسی ایک موقعہ پر ان کی جو تفصیلات بھی بیان کی گئی ہیں ان کے علاوہ اگر مزید تفصیلات کی ضرورت ہو تو قرآن کے اُن مقامات سے رجوع کیا جائے جہاں ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے (۳) ان سے متعلق تفسیر کی کتابوں میں مذکورہ روایات جن کا بڑا حصہ اسرائیلیات پر مشتمل ہے، سے بہت ناگزیر صورت حال میں استفادہ کیا جائے اور وہ استفادہ بھی انتہائی حزم و احتیاط کے ساتھ ہو (۴) ان سے متعلق کسی ایسی روایت کو قبول نہ کیا جائے جو قرآن مجید کی روح اور اُس کے مقاصد اور شریعت کے اصول اور مسلمات سے متصادم یا متعارض ہو۔

مذکورہ بالا اصولوں کا فہم و ادراک ان کی تفسیر کے ان مقامات کے مطالعہ کے بعد ہوا جن میں حضرات انبیاء کرام یا ان کی اقوام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض انبیاء کی طرف اسرائیلی روایات کے حوالہ سے ایسی بے بنیاد اور بے سر و پا باتیں منسوب کی گئی

ہیں جن سے ان کا تقدس واحترام، امانت ودیانت اور عزت وعصمت کی پامالی ہوئی ہے اور ان کی پوری شخصیت مجروح اور داغ دار ہوئی ہے۔ سوء اتفاق سے ان روایات کا ایک بڑا حصہ تفسیر کی کتابوں میں بھی نقل کر دیا گیا ہے اور ابن جریر طبری اور ابن کثیر جیسے مفسرین بھی ان سے احتراز اور اجتناب کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ حتیٰ کہ بعض روایتیں حدیث کے بعض مستند مجموعوں میں بھی شامل ہوگئی ہیں، ظاہر ہے ایسا ہمارے محدثین کرام کا روایت کے اصولوں پر زیادہ توجہ اور درایت کے اصولوں سے بے توجہی کی وجہ سے ممکن ہوا۔ ان کے موقف کی وضاحت کے لیے سورہ الاعراف آیت ۱۳۵ ''فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَى أَجَلٍ هُم بَالِغُوهُ.....الخ'' کے تحت انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اُس کے ایک اقتباس کا ترجمہ کیا جا رہا ہے:

> ''ان معجزات کے وقوع کے کیفیت اور شکل وصورت کے بارے میں ہمارے پاس کوئی قرآنی نص نہیں ہے اور نہ ہی نبی کریمؐ سے اس سلسلے میں کوئی صحیح روایت منقول ہے۔ اس طرح کے مواقع پر ہم نے ہمیشہ اپنی تفسیر میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ہم قرآنی نصوص پر اعتماد اور اکتفا کرتے ہیں۔ ہمارے سامنے قرآن وسنت کی طرف مراجعت کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ ایسا اس لیے ضروری ہے تاکہ اسرائیلیات اور ان بے بنیاد اقوال اور روایات سے احتراز کیا جا سکے جو کتب تفاسیر میں موجود ہیں۔ ان سے کوئی تفسیر مستثنیٰ نہیں ہے حتیٰ کہ ابن جریر طبری اور ابن کثیر کی تفاسیر اپنی عظمت اور قدر وقیمت کے باوجود اس بڑی کمزوری سے محفوظ نہیں رہ سکی ہیں''۔ ۵۸

ان کے خیال اور نقطۂ نظر کی مزید وضاحت اور تفسیر کے دوران اس کے عملی انطباق کی شکلوں سے واقفیت کے لیے درج ذیل آیات اور ان میں مذکور قصص وواقعات کا مطالعہ مفید ہوگا۔

سورہ البقرہ آیت ۴۰ تا ۷۴ (بنی اسرائیل سے متعلق متعدد واقعات) فی ظلال

القرآن ج۱،ص۶۳ تا ۸۰/ البقرہ آیت ۱۰۲، (حضرت سلیمان، جادو اور دو بادشاہ) تفسیر مذکور، ج۱،ص۹۵-۹۷/ سورہ آل عمران آیت ۳۳ تا ۶۴ (آل عمرانؑ، حضرت مریمؑ، حضرت عیسیٰؑ) ج۱،ص۳۸۹-۴۰۷/ سورہ الاعراف آیت ۲۶ (حضرت آدمؑ وحواؑ) ج۳، ص۱۲۷۸/ الاعراف آیت ۱۴۵ (الواح موسیٰؑ) ج۳،ص۱۳۷۰/ الاعراف آیت ۱۳۳ (قوم بنی اسرائیل پر مختلف قسم کے عذاب) ج۳،ص۱۳۵۸-۱۳۵۹/ الاعراف آیت ۱۸۹ (ایک آیت کے مدلول کا انطباق آدمؑ وحواؑ پر) ج۳،ص۱۴۱۲/ الاعراف آیت ۱۷۵ (ایک آدمی کا واقعہ) ج۳،ص۱۳۹۷/ سورہ المائدہ آیت ۲۷ تا ۳۱ (حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں اور ان میں سے ایک کے ذریعہ دوسرے کا قتل) ج۲،ص۸۷۵/ سورہ ص آیت ۱۷ (حضرت داؤدؑ) ج۵، ص۳۰۱۷/ سورہ ص آیت ۲۱ تا ۲۴ (حضرت داؤدؑ) ج۵، ص۳۰۱۸/ سورہ ص ۳۱ تا ۳۴ (حضرت سلیمانؑ) ج۵،ص۳۰۲۰/ سورہ ص آیت ۴۱ (حضرت ایوبؑ) ج۵،ص۳۰۱۲/ سورۃ البروج، آیت ۴، (اصحاب الاخدود) ج۶، ص۳۸۷۲۔

حواشی ومراجع

۱ سید قطب، التصویر الفنی فی القرآن، دار الشروق، بیروت، ب ت، ص۲۰۳

۲ سید قطب کی سوانح حیات اور تصنیفات سے واقفیت کے لیے ملاحظہ ہو:

☆ خیر الدین زرکلی، الاعلام، دار العلم للملائین، بیروت، ۱۹۹۰ء، ۳/ ۱۴۷-۱۴۸

☆ محمد الصباغ، لمحات فی علوم القرآن، المکتب الاسلامی، بیروت، ب ت، ص۱۶۸-۱۶۹

☆ خلیل حامدی، جادہ ومنزل، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۲۰۰۲ء، ص۱۳ تا ۵۹

☆ سید حامد علی، اردو ترجمہ تفسیر فی ظلال القرآن، جلد اول، ہندوستان پبلی کیشنز نئی دہلی، ۱۹۸۸ء، ص۳۳ تا ۳۸

☆ محمد نجات اللہ صدیقی، اسلام کا نظام عدل، مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی نئی دہلی، ۱۹۶۰ء، ص۱ تا ۵

۳ محمود احمد غازی، محاضرات قرآنی، اریب پبلی کیشنز نئی دہلی، ۲۰۱۰ء، ص ۲۱۸

۴ سید قطب، فی ظلال القرآن، دار الشروق، بیروت، قاہرہ، ۱۹۷۹ء، ج ۱، ص ۱۱

۵ سید قطب، مقدمہ تفسیر ''فی ظلال القرآن''، دار احیاء الکتب العربیۃ، طبع ثانی، ج ۱، ص ۵

۶ فی ظلال القرآن، دار الشروق، بیروت، قاہرہ، ۱۹۷۹ء، ج ۱، ص ۶۳-۶۴

۷ فی ظلال القرآن، ج ۴، ص ۲۲۱۴

۸ ملاحظہ ہو، مقدمہ تفسیر سورۃ النساء، ج ۱، ص ۵۵۴ تا ۵۷۱

۹ فی ظلال القرآن، ۱/ ۵۶

۱۰ فی ظلال القرآن، ۵/ ۳۰۱۹

۱۱ فی ظلال القرآن، ۴/ ۲۳۶۴-۲۳۶۷

۱۲ فی ظلال القرآن، ۵/ ۲۸۸۸-۲۸۹۱

۱۳ فی ظلال القرآن، ۵/ ۲۹۱۸

۱۴ فی ظلال القرآن، ۱/ ۵۵۵

۱۵ بطور نمونہ ملاحظہ ہو، تفسیر سورۃ البقرۃ، ۱/ ۳۵ اور ۳۳۹، ۳۴۰؛ تفسیر سورۃ الانبیاء، ج ۴، ص ۲۴۰۰، سورہ سبا ۵/ ۲۹۱۷

۱۶ فی ظلال القرآن، ۴/ ۲۰۶۶-۲۰۷۶

۱۷ فی ظلال القرآن، ۱/ ۵۵۱

۱۸ فی ظلال القرآن، ۴/ ۱۸۳۹-۱۸۴۰

۱۹ فی ظلال القرآن، ۴/ ۱۹۴۹-۱۹۵۰

۲۰ فی ظلال القرآن، ۲/ ۸۷۵

۲۱ سید قطب، التصویر الفنی فی القرآن، ص ۶-۷

۲۲ حوالہ مذکور، ص ۷

۲۳ پوری کتاب اوسط درجے کے ۲۰۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ اسی موضوع سے مشابہ ان کی ایک دوسری کتاب ''مشاہد القیامۃ فی القرآن'' ہے جو دار الشروق بیروت سے شائع ہوئی

ہے اور جو ۲۳۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسری کتاب کے مقدمہ میں پہلی کتاب کے کئی اقتباسات، خود مصنف نے نقل کیے ہیں۔

۲۴ سید قطب، التصویر الفنی فی القرآن، ص ۸

۲۵ حوالہ مذکور، ص ۳۲

۲۶ سید قطب، مقدمہ تفسیر فی ظلال القرآن، الجزء الاول، دار احیاء الکتب العربیۃ، طبع دوم، ص ۶-۷

۲۷ اس موضوع پر تفسیر فی ظلال القرآن کے مقدمہ (طبع دار الشروق بیروت ۱۹۷۹ء) میں بھی بہت عمدہ بحث کی ہے۔ ج اول، ص ۱۶-۱۸

۲۸ سید قطب، التصویر الفنی فی القرآن، ص ۲۰۷-۲۰۸

۲۹ فی ظلال القرآن، دالشروق بیروت، ۱۹۷۹ء، ۵/۲۹۴۲-۲۹۴۳

۳۰ فی ظلال القرآن، ۱/۵۴۳-۵۴۶

۳۱ فی ظلال القرآن، ۴/ ۲۴۵۷-۲۴۵۸

۳۲ فی ظلال القرآن، ۵/۳۱۳۰

۳۳ فی ظلال القرآن، ۱/ ۵۴۵-۵۴۶

۳۴ فی ظلال القرآن، ۳/ ۱۳۸۷-۱۳۸۸

۳۵ مقدمہ تفسیر فی ظلال القرآن، دار الشروق بیروت، ۱۹۷۹ء، ۱/۱۶

۳۶ بطور مثال ملاحظہ ہو، سورہ الاعراف آیت ۱۷۲، فی ظلال القرآن، ۳/۱۳۹۲

۳۷ فی ظلال القرآن، ۳/۱۳۵۴

۳۸ فی ظلال القرآن، ۳/ ۱۳۲۵

۳۹ فی ظلال القرآن، ۱/ ۳۲۱

۴۰ فی ظلال القرآن، سورہ البینۃ آیت نمبر ۱، ۶/ ۳۹۴۸

۴۱ بطور مثال ملاحظہ ہو سورۃ الاعراف آیت ۱۰۴، ۳/ ۱۳۴۶ اور آیت ۱۳۰ تا ۱۳۷، ۳/ ۱۳۵۶-۱۳۵۸

۴۲ وضاحت کے لیے رجوع کریں سورہ المائدہ آیت ۴۱، ۲/ ۸۹۱، آیت ۵۰، ۲/ ۹۰۴-۹۰۵،

آیت ۵۱، ۲/ ۹۰۹-۹۱۶

۴۳ بعض معاصر مسلم دانشوروں پر ان کی تنقید کے انداز سے واقفیت کے لیے ملاحظہ ہو، سورۃ الفیل، آیت ۱، ۶/ ۳۹۷۸

۴۴ فی ظلال القرآن، ۲/ ۹۰۴

۴۵ فی ظلال القرآن، ۲/ ۹۰۹

۴۶ فی ظلال القرآن، ۳/ ۱۲۶۴

۴۷ فی ظلال القرآن، ۶/ ۳۹۳۳

۴۸ فی ظلال القرآن، ۶/ ۳۸۱۲

۴۹ حوالہ بالا

۵۰ فی ظلال القرآن، ۶/ ۳۴۷۷-۳۴۷۸

۵۱ فی ظلال القرآن، ۱/ ۳۱۸-۳۲۷

۵۲ فی ظلال القرآن، ۲/ ۸۸۲-۸۸۶

۵۳ فی ظلال القرآن، ۲/ ۲۸۷-۹۰۵

۵۴ فی ظلال القرآن، ۳/ ۱۴۲۱-۱۴۲۴

۵۵ فی ظلال القرآن، ۶/ ۳۳۷۹-۳۳۸۱

۵۶ اس طرح کے چند اہم مقدمات کے لیے ملاحظہ ہو: سورۃ البقرہ، ۱/ ۲۷-۳۵، آل عمران، ۱/ ۳۴۸- ۳۵۹، المائدہ، ۲/ ۸۲۵-۸۳۳، الانعام، ۲/ ۱۰۰۴- ۱۰۲۹، الاعراف، ۳/ ۱۲۴۳- ۱۲۵۳، الانفال، ۳/ ۱۴۲۹- ۱۴۶۹، التوبۃ، ۳/ ۱۵۶۴- ۱۵۸۳، یونس، ۳/ ۱۷۴۵-۱۷۵۵، ھود، ۴/ ۱۸۳۹-۱۸۴۸، یوسف، ۴/ ۱۹۴۹-۱۹۶۸

۵۷ سورۃ البقرہ، ۱/ ۲۷-۲۸، دوسری سورتوں میں یہی عبارت معمولی فرق کے ساتھ دہرائی گئی ہے: ملاحظہ ہو سورۃ الانعام، ۲/ ۱۰۱۵، سورۃ الاعراف، ۳/ ۱۲۴۳

۵۸ ایضاً، ۳/ ۱۳۵۸-۱۳۵۹

☆☆☆